محسن نقوی کے مذہبی قصائد

ڈاکٹر عقیلہ شاہین، سید شاکر حسین بخاری*

Abstract:
Qasida is a very important and renowned kind of Urdu poetry. The most distinguished and classical Urdu poets tried their best to strengthen this Urdu poetic device, so there is a strong tradition of the Qasida which has made it everlasting. Although Qasida could not get a prominent position. But religious Qasida has been existing from the day up to date. In the 20th century many Urdu poets contributed their shares towards the promoting of Qasida and the following Urdu poets had zenith positions, in order to promote religious Qasida. So, we see Saba Akbar Abadi,Saahir Lakhnavi, SyedWaheed-ul-Hassan and Syed Shabi-ul-Hassan were the key figures. They enhanced its grace and contributed a lot in promoting Qasida. Mohsin Naqvi is also one of them. In the following essay religious Qasida of Mohsin Naqvi has been analyzed in a modern way. The modern way of thinking and intellectualism is being used to highlight the importance and worth of the Qasida.

محسن نقوی نے جہاں اُردو غزل اور نظم میں منفرد مقام پایا ہے، وہاں وہ اپنے مذہبی قصائد میں بھی مخصوص اندازِ فکر کی وجہ سے خاص پہچان رکھتے ہیں۔ اثناءعشری عقائد، مجالسِ عزا اور محافل قصیدہ خوانی نے محسن نقوی کو قصیدہ نگاری کی طرف مائل کیا ہے۔ اُن کے مذہبی رجحان سے اُن کے شعری مجموعوں موجِ ادراک ۱۹۸۰ء، فُراتِ فکر ۱۹۹۶ء، اورحقِ ایلیا ۲۰۰۰ء میں اس صنفِ شعر کے ذریعے اُن کی تخلیقی صلاحتیں منظرِ عام پر آئیں لیکن محسن نقوی کی قصیدہ نگاری قصیدے کی روایت سے مختلف ہے۔

قصیدہ عربی زبان کے لفظ قصد سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معنی قصد یعنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ لغت میں ''قیصد'' مرغن گودے، خشک گوشت، چربی دار بلند کوہان اور لاٹھی کو کہا جاتا ہے۔[۱] عربی زبان میں قصیدے کی تاریخ تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی یہ زبان۔ بنوقحطان عرب عاربہ کے باوا آدم خیال کیے جاتے ہیں۔ اسی قبیلے کے چرواہے جہاں اپنی اونٹنیوں کو سبک خرامی دینے کے لیے حدی خوانی کیا کرتے تھے۔ وہیں اس قبیلے کے پرمغز اور نازک خیال لوگ اپنی تلوار اور اپنے برق رفتار گھوڑوں کی تعریف میں اشعار کہتے تھے۔ عموماً ان اشعار کی تعداد سات سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس لیے ان اشعار کے مجموعے کو قصیدہ کہا جانے لگا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ مدح

* صدر شعبۂ اُردو اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ** پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبۂ اُردو اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

سرائی امراء وسلاطین کے لیے کی جانے لگی۔ چونکہ ہر قصیدہ گو اپنے ممدوح کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے اسے دوسروں سے منفرد اور ممتاز دکھاتا ہے۔ اور سامعین کے افکار کو اشعار کے ذریعے اپنے ممدوح کے روبرولا کھڑا کرتا ہے۔ اسی لغوی مفہوم کی نسبت سے یہ اشعار ''قصیدہ'' کہلانے لگے۔ شعراء عرب مثلاً نابغہ جعدی، نابغہ ذبیانی، امراوالقیس، کمیت اسدی، فرزدق، دعبل خزاعی، اور ابوتمام طائی کو اس صنف میں کمال حاصل تھا۔ اسلام کے پھیلنے سے شعرائے عجم کو عرب شعراء کی جادو بیانی اور تاثیر نے بہت متاثر کیا۔ اس لحاظ سے عربی کے بعد ایشیا کے بڑے خطے میں فارسی قصائد کہے جانے لگے اور سلاطین سامانیہ اور سامانیہ کے درباروں میں لاتعداد فارسی قصائد کہے گئے۔ اس دور کے نمائندہ شاعر انوری ہیں جنہوں نے برصغیر میں قصیدہ نگاری کا آغاز کیا۔ اُردو میں قصیدہ نگاری دوسری اصناف کی طرح فارسی سے آئی ہے۔ اور اس کا آغاز دکن سے ہوا۔ دکنی شعراء کو سلاطین گولکنڈہ اور بیجاپور کی سرپرستی حاصل تھی۔ یوں درباروں سے تعلق قصیدہ گوئی کے میلان کا باعث ہوا۔ قلی قطب شاہ، غواصی، نصرتی، حاتم اور آرزو ابتدائی دور کے وہ قصیدہ نگار ہیں۔ جنہوں نے فنی اعتبار سے قصیدے کی روایت کو مضبوط کیا۔ لیکن قصیدہ نے میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کے زمانے میں فنی قدوقامت پایا مرزا رفیع سودا اس دور کے سب سے بڑے قصیدہ نگار تھے۔ اُنہیں فنِ قصیدہ سے فطری مناسبت تھی۔ اساتذہ دہلی میں ذوق، غالب اور مومن نے بھی قصائد لکھے۔ غالب کی طبیعت جدت پسند تھی۔ اس لیے قدما اور متوسطین کی پیروی کے باوجود انہوں نے اپنا انفرادی رنگ نہ صرف برقرار رکھا۔ بلکہ اس میں نئے انداز بھی پیدا کیے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سیاسی، سماجی انقلاب رونما ہوا۔ ادب میں بھی نئی تحریکیں زور پکڑنے لگیں۔ مولانا حالی اور آزاد کی کوششوں سے جدید اُردو شاعری کا آغاز ہوا۔ لیکن پرانی شاعری کے علمبرداروں میں داغ دہلوی، امیر مینائی، جلال لکھنوی، منیر شکوہ آبادی اور محسن کاکوروی نے قدیم شعری روایات کو برقرار رکھتے ہوئے فنِ قصیدہ کو بھی ایک نئی زندگی دی۔ یہ صنف آج کے عہد میں مقبول نہیں کیونکہ اسے دربار کی سرپرستی حاصل تھی اور شعراء کرام کو قصائد کی وجہ سے انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔ آج کے شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت، صحابہ کرام کی محبت اور اہل بیت کی مظلومیت اور بہادری کو سامنے رکھ کر اس روایات کو آگے بڑھایا ہے۔ خاص طور پر حضرت امام حسینؓ اور شہدائے کربلا کے حوالے سے اس صنف میں جو کچھ بھی لکھا گیا۔ اس میں شاعروں نے احتیاط اور فنی مہارت کے ساتھ انہیں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ جوش ملیح آبادی، صبا اکبر آبادی، افتخار عارف، ساحر لکھنوی، ڈاکٹر شبیہ الحسن اور وحید الحسن نے اپنے اپنے طور پر اس شعری روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

محسن نقوی قصیدے کی اسی روایت کے امین ہیں تاہم وہ ماضی میں لکھے جانے والے قصائد کے اجزاء مثلاً مطلع، تشبیب، بہاریہ زوائد کو اپنے ہاں غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ان قصائد میں اُن کا انداز براہِ راست ہے، کیونکہ اُنہیں اس بات کا احساس ہے کہ آج کے مصروف عہد کا شعری مزاج براہِ راست اور بلا واسطہ ہے۔اس بات کے متعلق محسن نقوی ''موجِ ادراک'' کے دیباچہ'' سرِ لوحِ چشمِ تر'' لکھتے ہیں۔

> ''میں موجودہ دور میں قصیدہ کی مکمل ہیت اور اجزا سے باخبر رہنے کے باوجود مطلع تشبیب بہاریہ وغیرہ قسم کے زوائد کو اصل موضوع سے پہلے اس لیے غیر ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کا سامع یا قاری نہ تو ذہنی طور پر اتنا فارغ ہے اور نہ ہی طبعاً اتنا مشکل پسند کہ ہر بات کی تہہ تک اُترنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ کرے، اس لیے میں بالواسطہ بات کرنے کی بجائے بلا واسطہ بات کرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔'' [۲]

مدح سرائی کسی عہدے پر فائز امیر کی ہو یا میدان جنگ میں حصہ لینے والے کسی دلیر کی، مدح کسی صاحب تخت و تاج کی ہو یا کسی بے تاج سلیمان مزاج کی، ہر دور میں اس کی بنیاد مبالغہ آرائی پر رکھی گئی ہے۔کم رو کو ماہ رو، کم زور کو شاہ زور، بے تن کو فیل تن اور کج ادائی کو بانکپن کہنا شاعروں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔لیکن نبیؐ اور آل نبیؐ کے گھرانے کی مدح و ثناء میں اصناف ادب اور لفظ کمزور اور کم پڑ جاتے ہیں۔اس گھرانے کی تعریف و توصیف کی ساری راہیں تعریف لکھنے والے کے خلوص اور اس گھر سے عقیدت و محبت سے کھلتی ہے۔جس قدر لکھنے والا اس خاندان کی محبت میں سرشار ہوگا اتنا ہی اس کا قلم پرُ تاثیر ہوگا۔اور جس منزلِ یقین پہ وہ خود کھڑا ہوگا اس کے اشعار سے اتنا ہی تیقن جھلکے گا محسن نقوی کے دل میں بنیؐ اور آلِ نبی کے لیے محبت بھی ہے اور گداز بھی، یقین بھی ہے اور اُن پر کامل ایمان بھی، اسی لئے جب وہ اُن کی مدحت کرتے ہیں تو اُن کے قلم کا جوش و خروش اور سج دھج ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

مثلاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

اورنگِ سلیمان تری نعلین کا خاکہ
اعجازِ مسیحا تری بکھری ہوئی خوشبو
حُسنِ یدِ بیضا تری دہلیز کی خیرات
کونین کی سج دھج تری آرائش گیسوؔ [۳]

شاعری میں الفاظ کی بنت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، شاعر تعاقب الفاظ میں بہت دور بھی نکل جائے پھر بھی اپنے اصل مقصد سے غافل نہیں ہوتا۔ مثلاً جب فُرات کنارے حضرت امام حسینؑ ظلم وتشدد سے نبرد آزما ہونے کی حکمت عملی سوچ رہے تھے، کہ ظلم کے پاس طاقت، دولت، اختیارات، جبر، نیزے تلواریں سب کچھ تھا۔ مگر حضرت امام حسینؑ کے پاس صرف صبر اور استقامت تھی اور اسی وجہ سے ظلم کو دیکھ کر اُن کے خشک ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھل اُٹھی۔ اِسی خیال کو محسن نقوی نے "فرات فکر" میں موجود ایک قصیدے "نہ پوچھ میرا حسین کیا ہے" میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے، کہ اس میں خوبصورت تخیل اور موثر الفاظ کے ساتھ ساتھ شاعر مشرق کے انسانِ کامل کا تصور بھی خوبصورتی سے اُجاگر ہوا ہے۔ مثلاً۔

فرات کی نبض رُک گئی ہے
حسینؑ مصروفِ گفتگو ہے
جہاں گلابوں سے اَٹ گیا ہے
حسینؑ شاید لہو لہو ہے
حسینؑ کا حوصلہ نہ پوچھو
حسین لٹ کر بھی سرخرو ہے
وہ دیکھو فوجوں کے درمیاں بھی
حسینؑ تنہا ڈٹا ہوا ہے
نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے[۴]

شخصیت نگاری نثری قلب میں بھی ڈھلتی ہے اور شعری پیکر میں بھی لیکن دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شاعر ایک مصرعہ یا ایک شعر میں وہ کچھ بیان کر جاتا ہے۔ جس کے لیے تاریخ کے کئی صفحات صرف ہوتے ہیں۔ مثلاً کسریٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کیا لیکن اللہ نے اس کا ملک پارہ پارہ کر دیا۔ چنانچہ درج ذیل شعر میں صرف ایک استعارے نے پورے واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔ مثلاً

کہنے کو تو خاموش مگر جنبشِ لب سے
دامانِ عرب گردِ گریباں عجم چاک [۵]

''حق ایلیا'' میں محسن نقوی نے حضرت امام حسین کا موازنہ عظیم ہستیوں سے کیا ہے۔ حضرت آدم جن کے

علم کی تجلی فرشتے برداشت نہ کر سکے اور اعتراف عجز کے طور پر سجدہ ریز ہو گئے۔ چنانچہ ''حضرت آدم اور حضرت امام حسینؑ'' کے موازنہ میں محسن نقوی کا شعور جب لفظوں میں ڈھلا تو درج ذیل بند کی تخلیق ہوئی۔ جس میں شاعرانہ بلاغت کے ساتھ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ''حسین منی وانا من الحسین'' [۶] کی ترجمانی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

آدم کی ذات مرکز ایمان بھی نہیں
آدم کا نطق محورِ قرآں بھی نہیں
آدم خطا کرے کوئی نقصان بھی نہیں
شبیر میں خطا کا تو امکان بھی نہیں
ادنی سی شان دیکھ شہِ مشرقین کی
آدم بہشت میں بھی رعیت حسینؑ کی [۷]

دو شخصیتوں کے درمیان موازنہ کی خوبی یہ ہے کہ پہلی شخصیت کے کمال کو ظاہر کرتے ہوئے دوسری شخصیت کی عظمت اس طرح بیان کی جائے کہ دونوں ہستیاں مقام میں برابر نظر آئیں۔ یہ انداز محسن نقوی کے ہاں موازنہ ''حضرت ابراہیم اور حسینؑ'' میں نظر آتا ہے۔

اُس سمت اک نبی کا ارادہ اٹل نہیں
اس سمت وہ عمل کہ گھڑی کا خلل نہیں
بیٹے کی لاش دیکھ کر ماتھے پہ بل نہیں
برچھی کھنچی تو نبض زمانے کی رک گئی
آنکھیں اُٹھیں تو موت کی گردن بھی جھک گئی [۸]

حضرت علیؑ کے ساتھ بیٹے کے موازنہ میں محسن نقوی جذباتیت کا شکار نظر آتے ہیں وہ یوں کہ باپ کو غیظ و غضب کی علامت لکھا ہے۔ اور بیٹے کو دستِ دُعا سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں بھی مجلس اور اہلِ مجلس کے تقاضوں کے پیش نظر حضرت امام حسینؑ سے محبت وعقیدت میں انہوں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ مثلاً درج ذیل بند میں وہ کہتے ہیں۔

دوشِ نبی کہاں یہ سناں کی فضا کہاں
بستر کہاں نبی کا یہ دشتِ بلا کہاں
غیظ و غضب کہاں وہ یہ دستِ دُعا کہاں

خندق کہاں یہ رزم گہہ کربلا کہاں
پیاسے کا نام ایک ہی سجدے سے چڑھ گیا
بیٹے کا وار باپ کی ضربت سے بڑھ گیا[۹]

حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت امام حسین کے موازنہ میں محسن نقویؔ کے تخیل نے ایک نادر نکتہ نکالا ہے۔ انہوں نے ایک عظیم ماں اور ایک بلند شخصیت بیٹے کا تقابل اس انداز میں پیش کیا کہ ماں کو صدف اور بیٹے کو گوہر کہہ کر دونوں کی شخصیت کو اپنا مخصوص مقام عطا کیا ہے۔ درج ذیل بند اُن کے خیال کی بہترین عکاسی ہے۔

صورت اگر ہے عرض تو جوہر ہیں خدوخال
جس طرح سے ہے ذہن صدف اور گہر خیال
شبیرؑ وفاطمہؑ میں بھی بہتر ہے یہ مثال
معدن ہیں فاطمہؑ تو گہر فاطمہؑ کا لال
بیٹے کی تربیت ہے سدا والدین سے
پرکھا گیا بتول کو اکثر حسینؑ سے[۱۰]

مذہبی شاعری کے حوالے سے محسن نقویؔ نے شہدائے کربلا کے علاوہ خانوادہ رسول صلی علیہ والہ وسلم کی تمام شخصیات کی منقبت کہی ہے۔ ان میں حضرت خدیجہ الکبری کے حوالے سے محسن کا موقف ہے کہ انسان کی زندگی میں اس کی شریک حیات اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت ختمی مرتبت کی پہلی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی ہے۔ جو اعلان نبوت سے لے کر اپنی آخری سانس تک نبوت کی ڈھارس بنی رہیں۔ محسن نقویؔ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کا قصیدہ ''شمع شبستان رسالت'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ درج ذیل شعر حضرت خدیجہ الکبریٰ کی شخصی اور روحانی عظمت کے اظہار کے ساتھ محسن نقویؔ کے تاریخی شعور اور حضرت خدیجہ الکبریٰ کے تعارف کی بہترین نمائندگی ہے۔

دُنیا سے تری سوچ کا انداز نرالا
بچوں کی طرح گود میں اسلام کو پالا[۱۱]

سیرت ہو یا مدحت مردوں کے مقابلے میں چار دیواری میں مستور خواتین پر کچھ لکھنا مشکل ہوتا ہے اور پھر وہ خواتین جن میں رسولؐ کی بیٹی ہو تو اور بھی مشکل ہو جاتی ہے حضرت فاطمہ زہرا جنہوں نے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم

کے زیرِ سایہ پرورش پائی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ میں قدرتی طور پر محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے اعلیٰ ترین نمونے موجود تھے۔ قصیدہ "ملکہ عصمت" میں محسن نقوی حضرت فاطمہ زہرا کی بلند شخصیت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

حیا کی دیوی وفا کی آیت حجاب کی سبیل زہرا
کہیں ہے معصومیت کا ساحل کہیں شرافت کی جھیل زہرا
جہانِ موجود میں بنی ہے وجودِ حق کی دلیل زہرا
زمانے بھر کی عدالتوں میں نِساء کی پہلی وکیل زہرا
کِساء میں آئی تو پنجتن کے شرف کی پہچان بن گئی ہے
نِساء میں بیٹھی تو تربیت گاہ دین و ایمان بن گئی ہے
سمٹ کے دیکھا تو ب کے نقطے کی زیر کی شان بن گئی ہے
بکھر کے سوچا تو فاطمہؑ خود تمام قرآن بن گئی ہے[۱۲]

ان بندوں میں محسن نقوی نے حضرت فاطمہؑ زہرا کی روحانی شخصیت کو پیش کرنے کے ساتھ دوسرے بند کے پہلے دوسرے مصرعے میں " کساء" اور "نِساء" کے صوتی ترادف اور تیسرے چوتھے مصرعے میں "سمٹ کے دیکھا" اور " بکھر کے سوچا" کی بندش میں صنعتِ تضاد اور توارد کو خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ تاریخ صرف اُنہی افراد کی عظمت کو سلام کرتی ہے جو اپنے عمل اور کردار کی سے تاریخ کو عظیم بناتے ہیں اور جس کردار میں جتنی زیادہ توانائی ہوگی وہ ہمارے ادراک کی روشوں پر اتنی دیر زندہ رہتا ہے۔ انہی ہستیوں میں سے ایک عظیم ہستی حضرت زینبؑ کی ہے۔ جن کے عمل کی صداقت اور جذبے کی توانائی نے اسلامی اقدار کی شیرازہ بندی کی قصیدہ "عقیلہ نبی ہاشم"، "مریم کربلا" اور " علی کی بیٹی" میں محسن نقوی کا اس ہستی سے متعلق جذبات و محسوسات کا توانا اظہار یوں ملتا ہے۔

زینب کے وہ خطبات وہ آیات کا طوفان
جذبوں کا تلاطم وہ تہہ تابشِ ایمان
ہر حرف کے ادراک میں کھلتا ہوا قرآن
یک جنبشِ لب صُورت برق سرِ فاران
جل بجھ گیا باطل کہ دُھواں تک نہیں ملتا
اب بیعتِ فاسق کا نشاں تک نہیں ملتا

....

جب ظُلم کا خنجر ہوا پیوستِ رگ جاں
جب سو گئے صحرا میں شریعت کے حُدی خواں
نیزوں پہ سجائے گئے جب صبر کے قراں
نازل ہوئی افلاک سے جب شامِ غریباں
آوازِ دل شیرِ جلی بن گئی زینبؑ
اظہارِ شجاعت میں علی بن گئی زینبؑ[۱۳]

لیکن قصیدہ "مریم کربلا" کے پندرویں بند میں محسن نقویؔ جہاں حضرت زینبؑ کے پڑھے ہوئے خطبات کے استعارے اور تاریخ کے حقائق سامنے لائے ہیں۔ وہاں فکرِ حسین اور یزیدیت دو متضاد طریق عمل دو مختلف اندازِ فکر اور دو متفرق طرزِ احساس کی علامتیں بن کر اُبھریں ہیں۔ مثلاً

یہ بے رِدا اسیر محمدؐ کے گھر کے ہیں
سارے ہی تشنہ لب ہیں اور آٹھوں پہر کے ہیں
مہماں کچھ یتیم یہاں رات بھر کے ہیں
پاؤں میں آبلے بھی ابھی تک سفر کے ہیں
تحریر کس طرح کی یہ لوحِ جہاں پہ ہے
منبر پہ بے نماز نمازی سناں پہ ہے[۱۴]

محسن نقویؔ نے اپنی مذہبی شاعری میں آل محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فلسفہ حیات اور اپنے ممدوحین کے اوصاف حمیدہ اور ان کی روحانی عظمت کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ممدوحین کی سیرت و کردار اور عزت و عظمت کی ایسی سچی تصویریں کھینچی ہے کہ ان تصویروں کا ہر پہلو محبت اور عقیدت میں ڈوبا قاری کے دل اور روح پر نقش ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی فکر کے دائروں میں مرکزی حیثیت رکھنے والی اِن قدآور شخصیتوں کے خدوخال اور ان کے کردار کی عظمت کا احاطہ کرتے ہوئے محسن نقویؔ کو اپنے قلم کی تشنگی کا احساس بھی ہے۔

وہ ''موجِ اِدراک'' کے دیباچہ '' سرِلوحِ چشمِ تر'' میں لکھتے ہیں۔

''ان شخصیتوں کے کردار کی عظمت کا بھرپور احاطہ نہ تو میرے فکر کی دسترس میں ہے اور نہ ہی میرے قلم کے بس کی بات ہے۔''[۱۵]

محسن نقوی نے عقیدے کے معاملے میں کوئی قدغن قبول نہیں کی اور اپنے ملی و مذہبی جذبات واحساسات کا جامع اظہار کیا ہے۔ ہیت کے حوالے سے اگرچہ اُنہوں نے قدیم قصیدہ نگار شعراء کی پیروی نہیں کی، تاہم تخیل کی بلندی، قدرت کلام اور عمدہ اسلوب کے اعتبار سے اُن کے قصائد ممتاز نظر آتے ہیں۔ جو اُن کی شعری تربیت، ثقافتی و مذہبی ماحول اور دینی اَدب کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ یوں اُنہوں نے اس صنف میں مذہب کی خدمت کا کام لینے کے ساتھ اخلاقی اور اصلاحی رویوں کو بھی فروغ دیا۔

حوالہ جات

۱۔ عصمت ابو سلیم ''المنجد'' شیخ بشیر اینڈ سنز، مکتبہ دانیال اُردو بازار لاہور س،ن صفحہ نمبر ۸۶۴

۲۔ محسن نقوی، ''موج ادراک'' ''سرلوح چشم تر'' باردہم ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۱۰

۳۔ محسن نقوی، موج ادراک ''موج ادراک'' باردہم ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۳۶

۴۔ محسن نقوی، موج ادراک ''نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے'' باردہم ماوراء پبلیشر لاہور س،ن صفحہ نمبر ۱۱۳

۵۔ محسن نقوی، موج ادراک ''موج ادراک'' باردہم ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۴۳۔

۶۔ حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ [م، ۲۰۹ھ] ''سنن الترمذی'' باب المناقب حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ۔ بروایت حضرت یعلی بن مرۃؓ

۷۔ محسن نقوی، حق ایلیا ''آدم اور حسین'' ماوراء پبلیشرز لاہو ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱۰۸

۸۔ محسن نقوی، حق ایلیا ''ابراہیم اور حسین'' ماوراء پبلیشرز لاہور ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱۱۳

۹۔ محسن نقوی، حق ایلیا ''علی اور حسین'' ماوراء پبلشرز لاہور ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱۱۸

۱۰۔ محسن نقوی، حق ایلیا ''بتول اور حسین'' ماوراء پبلیشرز لاہور ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۱۱۹

۱۱۔ محسن نقوی، موج ادراک ''شمع شبستان رسالت'' باردہم ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۴۲

۱۲۔ محسن نقوی، موج ادراک ''ملکہ عصمت'' ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۹۲

۱۳۔ محسن نقوی، فرات فکر ''عقیلہ بنی ہاشم'' ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۱۶۶۔۱۶۷

۱۴۔ محسن نقوی، موج ادراک ''مریم کربلا'' باردہم ماوراء پبلیشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۱۳۹

۱۵۔ محسن نقوی، موج ادراک ''سرلوح چشم تر'' باردہم ماوراء پبلشرز لاہور س،ن صفحہ نمبر ۱۰۹